باغِ فدک
اور
حدیثِ قرطاس
فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی
www.jannatikaun.com

رافضیوں کے چند اعتراضات کے

تحقیقی جوابات

باغ فدک اور حدیث قرطاس

تصنیف

مفتی جلال الدین احمد امجدی

دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی

ترتیب

مولانا اعجاز احمد نوری

فہرستِ مضامین

نگاہِ اولیں

بعض لوگ کسی شخص کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس سے بدظن ہو جاتے ہیں اور اس کے بارے میں فاسد خیالات دل و دماغ میں جما لیتے ہیں پھر اس کی اچھی باتیں بھی اسے بُری نظر آتی ہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس سے بدظن کرنے کی پیہم جدو جہد کرتے ہیں۔

انھیں میں سے رافضی لوگ بھی ہیں جو حضرت ابو بکر صدیق و حضرت فاروق اعظم اور دیگر بہت سے اجلہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جن کے لہو کی ایک ایک بوند کی جھلکتی سُرخی آج بھی شجر اسلام کی آبیاری کر رہی ہے ان کے بارے میں یہ لوگ بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہو کر سنیوں کو بھی اپنا ہم خیال بنانے کی سعی کرتے ہیں۔

ان غلط فہمیوں میں سے "باغ فدک" اور "حدیث قرطاس" کا بھی معاملہ ہے جن کے بارے میں رافضی طرح طرح کے شبہات میں مبتلا ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی ان شبہات کی دَلدَل میں پھنسانے کی کدو کاوش کرتے ہیں۔ والد گرامی استاذ سامی الحاج حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد صاحب قبلہ امجدی مدظلہ العالی نے ان مسائل پر رافضیوں کے "شبہات" کے تحقیقی جوابات تحریر فرمائے جو مدلل و مفصل ہونے کے ساتھ نہایت سنجیدہ بھی ہیں اسے ہم نے کتابی شکل میں مرتب کر دیا تاکہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر عام ہو جائے اور سنی و راسخ العقیدہ مسلمان صحابۂ کرام کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے بچ جائیں۔

دعا ہے کہ خدائے عزوجل اس رسالۂ مبارکہ کو شرف قبول بخشے اور اس کے فیوض و برکات سے ہر خاص و عام کو مستفیض فرمائے۔ آمین

اعجاز احمد نوری

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اور باغ فدک

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رافضی لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باغ فدک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالے عنہا کو دیا تھا جسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالے عنہ نے اپنے دور خلافت میں غصب کرلیا اور حضور کا فرمان ہے کہ جس نے فاطمہ کو ستایا اس نے مجھ کو ستایا تو اس حدیث شریف کی روشنی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا حال ہے؟

المستفتی عبدالحق حق قادری غوثیہ منزل منڈی حویلی پونچھ (جموں کشمیر)

الجواب بعون الملک العزیز الوہاب بعض حصہ زمین جو کفار نے مغلوب ہو کر بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے حوالے کردیا تھا ان میں سے ایک فدک بھی تھا جس کی آمدنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال ازواج مطہرات وغیرہ پر صرف فرماتے تھے اور تمام بنی ہاشم کو بھی اس کی آمدنی سے کچھ مرحمت فرماتے تھے۔ مہمان اور بادشاہوں کے سفراء کی مہمان نوازی بھی اس آمدنی سے ہوتی تھی۔ اس سے غریبوں اور یتیموں کی امداد بھی فرماتے تھے۔ جہاد کے سامان تلوار، اونٹ اور گھوڑے وغیرہ اس سے خریدے جاتے تھے اور اصحاب صفہ کی حاجتیں بھی اس سے پوری فرماتے تھے۔ ظاہر ہے کہ فدک اور اس قسم کی دوسری زمینوں کی آمدنی مذکورہ بالا تمام مصارف کے مقابلہ میں بہت کم تھی اسی سبب سے بنی ہاشم کا جو وظیفہ حضور نے مقرر فرمادیا تھا

وہ زیادہ نہیں تھا اور سیدہ فاطمہ زہرا، رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور کو حد سے زیادہ پیاری تھیں مگر آپ اُن کی بھی پوری کفالت نہیں فرماتے تھے جس سے ثابت ہوا کہ اس قسم کی زمینوں کی آمدنی مخصوص مدوں میں حضور صرف فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا مال اسی کی راہ میں خرچ فرماتے تھے آپ نے ان کو ذاتی ملکیت نہیں قرار دیا تھا۔

پھر جب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بھی فدک کی آمدنی کو انھیں تمام مدوں میں خرچ کیا جن میں حضور خرچ فرمایا کرتے تھے۔ فدک کی آمدنی خلفائے اربعہ کے زمانہ تک اسی طرح صرف ہوتی رہی۔ یعنی حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر فاروق اعظم حضرت عثمان غنی اور حضرت مولیٰ علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب نے فدک کی آمدنی کو انھیں مدوں میں خرچ کیا جن میں حضور خرچ کیا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد باغ فدک حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں رہا پھر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اختیار میں رہا۔ ان کے بعد علی بن حسین اور حسن بن حسن کے ہاتھ آیا۔ ان کے بعد زید بن حسن بن علی برادر حسن بن حسن کے تصرف میں آیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر مروان اور مروانیوں کے اختیار میں رہا یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کا زمانہ آیا تو انھوں نے باغ فدک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کے قبضہ و تصرف میں دے دیا۔ باغ فدک کی اس تاریخ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ معاملہ کچھ بھی نہ تھا مگر لوگوں نے بلا وجہ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام لگا کر اُن کو مطعون کیا۔

حضور نے باغ فدک حضرت فاطمہ کو نہیں دیا تھا

یہ کہنا صحیح نہیں کہ باغ فدک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا تھا یہ رافضیوں کا افترا ہے جس کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں یعنی اہل سُنت کی معتبر کتابوں سے باغ فدک کا دینا ثابت نہیں بلکہ ہماری کتابوں سے حضور کا حضرت سیدہ کو باغ فدک کا نہ دینا ثابت ہے۔ جیسا کہ مشہور و معروف کتاب ابوداؤد شریف کی حدیث ہے۔

عَنِ الْمُغِیْرَۃِ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِیْزِ جَمَعَ بَنِیْ مَرْوَانَ حِیْنَ اُسْتُخْلِفَ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَتْ لَہٗ فَدَکُ فَکَانَ یُنْفِقُ مِنْھَا وَیَعُوْدُ مِنْھَا عَلٰی صَغِیْرِ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَیُزَوِّجُ مِنْھَا اَیِّمَھُمْ وَاَنَّ فَاطِمَۃَ سَأَلَتْہُ اَنْ یَّجْعَلَھَا لَھَا فَاَبٰی فَکَانَتْ کَذٰلِکَ فِیْ حَیٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی مَضٰی لِسَبِیْلِہٖ

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا جب زمانہ آیا تو انھوں نے بنی مروان کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تھا جس کی آمدنی وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے تھے اور بنی ہاشم کے بچوں کو دیتے تھے اور اس سے مجرد مرد و عورت کا نکاح بھی کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے سوال کیا کہ فدک ان کو دے دیں تو حضور نے انکار کر دیا تو ایسے ہی

فَلَمَّا اَنْ وُلِّيَ اَبُوْبَكْرٍ عَمِلَ فِيْهَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَيٰوتِهٖ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وُلِّيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَمِلَ فِيْهَا بِمِثْلِ مَا عَمِلَا حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ ثُمَّ اَقْطَعَهَا مَرْوَانُ ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَرَأَيْتُ اَمْرًا مَنَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ وَاِنِّيْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ رَدَدْتُهَا عَلٰى مَا كَانَتْ يَعْنِيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ۔

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۵۶)

آپ کی زندگی بھر رہا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی پھر جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے فدک میں ویسا ہی کیا جیسا کہ حضور نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی رحلت فرما گئے۔ پھر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ویسا ہی کیا جیسا کہ حضور اور ابوبکر نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی انتقال فرما گئے۔ پھر مروان نے (اپنے دور میں) فدک کو اپنی جاگیر میں لے لیا یہاں تک کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کی جاگیر بنا۔ پس میں نے دیکھا کہ جس چیز کو حضور نے اپنی بیٹی فاطمہ کو نہیں دیا اس پر میرا حق کیسے ہو سکتا ہے لہذا میں آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اسی دستور پر واپس کر دیا جس دستور پر کہ وہ پہلے تھا یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ مبارکہ میں۔

اس حدیث شریف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت سیدہ کو باغ فدک کا نہ دینا واضح طور پر ثابت ہے بلکہ شرح ابن الحدید جو رافضیوں کی معتبر مذہبی کتاب نہج البلاغۃ کی شرح ہے اس میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ لَهَا اَبُوْبَكْرٍ لَمَّا طَلَبَتْ فَدَكَ بِاَبِیْ وَاُمِّیْ اَنْتِ الصَّادِقَۃُ الْاَمِیْنَۃُ عِنْدِیْ اِنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَھِدَ اِلَیْکِ عَھْدًا اَوْوَعَدَکِ وَعْدًا اُصَدِّقُکِ وَسَلَّمْتُ اِلَیْکِ فَقَالَتْ لَمْ یَعْھَدْ اِلَیَّ فِیْ ذٰلِکَ ۔

جب فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فدک طلب کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ میرے نزدیک صادقہ امینہ ہیں اگر حضور نے آپ کے لیے فدک کی وصیت کی ہو یا وعدہ کیا ہو تو اسے میں تسلیم کرتا ہوں اور فدک آپ کے حوالے کر دیتا ہوں۔ تو سیدہ نے فرمایا کہ فدک کے معاملہ میں حضور نے میرے لیے کوئی وصیت نہیں فرمائی ہے

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت سیدہ کو باغ فدک دینے کا جو افسانہ بنایا گیا ہے وہ صحیح نہیں اس لیے کہ حضرت سیدہ خود فرما رہی ہیں کہ حضور نے فدک کے لیے میرے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی ہے اور نہ وعدہ فرمایا ہے۔ لہٰذا جب حضور نے باغ فدک حضرت سیدہ کو دیا نہیں اور دینے کا وعدہ بھی نہیں فرمایا اور نہ وصیت فرمائی تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے غصب کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فدک ہبہ کر دیا تھا۔ تو یہ مسئلہ رافضی و سنی دونوں کے یہاں متفقہ طور پر مسلم ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز پر تا وقتیکہ موہوب لہ یعنی جس کو ہبہ کیا گیا ہے اس کا قبضہ و تصرف نہ ہو جائے وہ چیز موہوب لہ

کی ملک نہیں ہو سکتی اور فدک بالاتفاق حضور کی ظاہری حیات میں کبھی حضرت سیدہ کے قبضہ میں نہیں آیا بلکہ حضور ہی کے اختیار میں رہا اور وہی اس میں مالکانہ تصرف فرماتے رہے۔

حضور نے کوئی وراثت نہیں چھوڑی

اگر یہ کہا جائے کہ حضور نے اپنی ظاہری حیات میں حضرت سیدہ کو فدک نہیں دیا تھا ہم نے یہ تسلیم کر لیا لیکن جب وہ حضور کی صاحبزادی تھیں تو فدک حضرت سیدہ کو وراثت میں ضرور ملنا چاہیے تھا کہ ہر شخص اپنے باپ کی جائداد کا وارث ہو اور حضرت سیدہ حضور کی وارث نہ ہوں یہ کہاں کا انصاف ہے؟

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتہا درجہ کے فیاض تھے جو کچھ آتا تھا سب غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم فرمادیتے تھے۔ کچھ اپنے پاس باقی نہیں رکھتے تھے یہاں تک کہ حضور ایک بار نماز عصر پڑھکر فوراً اٹھے اور نہایت تیزی کے ساتھ گھر تشریف لے گئے پھر علی الفور واپس آگئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا تو فرمایا مجھے خیال آیا کہ سونے کی ایک چیز گھر میں پڑی رہ گئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑی رہ جائے اس لیے میں اسے خیرات کرنے کے لیے کہہ آیا ہوں۔

(رواہ البخاری مشکوۃ ۱۶۵)

اور حدیث شریف میں ہے کہ آخری بیماری میں حضور کی ملکیت میں چھ سات

اشرفیاں تھیں۔ حضور نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم فرمایا کہ اسے خیرات کر دیں مگر وہ مشغولیت کے سبب خیرات نہ کر سکیں تو حضور نے ان اشرفیوں کو منگا کر خیرات کر دیا اور فرمایا مَا ظَنُّ نَبِیِّ اللّٰہِ لَوْ لَقِیَ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ وَھٰذِہٖ عِنْدَہٗ۔ (رواہ احمد مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۵) یعنی اللہ کا نبی خدائے تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اشرفیاں اس کے قبضہ میں ہوں تو یہ مقام نبوت کے منافی ہے۔

(اشعۃ اللمعات جلد دوم صفحہ ۴۸)

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنی ذاتی ملکیت میں کوئی چیز چھوڑی ہی نہیں تو ایسی صورت میں وراثت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لیے کہ وراثت اس چیز میں جاری ہوتی ہے جو مورث کی ملکیت ہو اور سرکار اقدس نے ایسا کوئی مال چھوڑا ہی نہیں۔ اور ازواج مطہرات جو اپنے حجروں کی مالک ہوئیں تو وہ بطور میراث ان کو نہیں ملے تھے بلکہ حضور نے اپنی ظاہری حیات میں ایک ایک حجرہ بنوا کر ان کو ہبہ کر دیا تھا اور اسی زمانہ میں ان لوگوں نے اپنے اپنے حجروں پر قبضہ بھی کر لیا تھا اور ہبہ جب قبضہ کے ساتھ ہو تو ملکیت ثابت ہو جاتی ہے جیسے کہ حضور نے حضرت فاطمہ کے لیے بھی گھر بنوا کر ان کے قبضہ میں دے دیا تھا جو ان کی ملکیت تھا۔

اور پھر فدک مال فئی سے تھا اسی لیے محدثین کرام فدک کی حدیث کو باب الفئی میں لائے ہیں اور فئی کسی کی ملکیت نہیں ہوتا اس کے مصارف کو خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود بیان فرمایا ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ — جو فئی دلایا اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے

مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ ‏ وہ اللہ اور رسول کی ہے۔ اور رشتہ دارو‌ں
وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ ‏ یتیموں، مسکینوں، اور مسافروں کے لیے
وَابْنِ السَّبِیْلِ ہے۔ (پ ۲۸ ع ۴)

اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد چہارم صفحہ ۳۱۳ پر مغرب سے ہے۔

حُکْمُہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لِکَافَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ ‏ فیٔ کا حکم یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے ہے۔

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

حکم فیٔ آنست کہ مر عامہ مسلمانان رامی ‏ فیٔ کا حکم یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے
باشد و درو ے خمس و قسمت نیست ‏ لیے ہے اس میں خمس و تقسیم نہیں ہے
واختیار آں بدست آنحضرت ست ‏ اور اس کی تولیت حضور صلی اللہ تعالےٰ
(اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۴۴۶) ‏ علیہ وسلّم کے لیے ہے۔

معلوم ہوا مال فیٔ وقف ہوتا ہے کسی کی ملکیت نہیں ہوتا اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فدک کی آمدنی کو قرآن کی تصریح کے مطابق اپنی ذات پر، ازواج مطہرات اور بنی ہاشم پر غریبوں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ فرمادیتے تھے جو اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ فدک کسی کی ملکیت نہیں تھا بلکہ وقف تھا اور مال وقف میں میراث جاری ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

٭

انبیائے کرام کسی کو مال کا وارث نہیں بناتے

اگر فدک کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملکیت مان بھی لی جائے پھر بھی اس میں وراثت نہیں جاری ہوگی بلکہ وہ صدقہ ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ۔ (مشکوٰۃ ص۵۵)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور کے وصال فرماجانے کے بعد ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ حضور کے مال سے اپنا حصہ تقسیم کروائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا

اَلَیْسَ قَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ۔

کیا حضور نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔

(مسلم شریف جلد دوم ص۹۱)

جب حضرت عائشہ نے ازواج مطہرات کو یہ حدیث شریف سنائی تو انھوں نے میراث طلب کرنے کا ارادہ ختم کردیا۔

اور حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جویریہ زوجۂ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کے بھائی تھے انھوں نے فرمایا

مَاتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِہٖ دِیْنَارًا وَلَا دِرْھَمًا وَلَا عَبْدًا وَلَا اَمَۃً وَلَا شَیْئًا اِلَّا بَغْلَتُہُ الْبَیْضَاءَ وَسَلَاحَہٗ وَاَرْضًا جَعَلَھَا صَدَقَۃً ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال کے وقت درہم و دینار اور غلام و باندی کچھ نہیں چھوڑا مگر ایک سفید خچر، اپنا ہتھیار اور کچھ زمین جس کو حضور نے صدقہ کر دیا تھا

(رواہ البخاری مشکوٰۃ ص۵۵)

اور بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَقْتَسِمُ وَرَثَتِیْ دِیْنَارًا مَاتَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَۃِ نِسَائِیْ وَمُؤْنَۃِ عَامِلِیْ فَھُوَ صَدَقَۃٌ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے وارث ایک دینار بھی تقسیم نہیں کریں گے میں جو کچھ چھوڑ جاؤں میری ازواج کے مصارف اور عاملوں کا خرچ نکالنے کے بعد جو بچے وہ صدقہ ہے۔

(مشکوٰۃ شریف ص۵۵)

اور بخاری و مسلم میں حضرت مالک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجمع صحابہ جن میں حضرت عباس، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن العوام اور سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو قسم دے کر فرمایا۔ کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ تو سب نے اقرار کیا کہ ہاں حضور نے ایسا فرمایا ہے حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں

اَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِیْ بِاِذْنِهٖ تَقُوْمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَةٌ قَالُوْا قَدْ قَالَ ذٰلِكَ فَاَقْبَلَ عُمَرُ عَلٰی عَلِیٍّ وَ عَبَّاسٍ فَقَالَ اَنْشُدُکُمَا بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ ذٰلِكَ قَالَا نَعَمْ۔

(اللفظ للبخاری جلد دوم صفحہ ۵۷۵
مسلم جلد دوم صفحہ ۹۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو خدائے تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے تو ان لوگوں نے کہا بے شک حضور نے ایسا فرمایا ہے پھر وہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں آپ دونوں کو خدائے تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور نے ایسا فرمایا ہے تو ان لوگوں نے بھی کہا کہ ہاں حضور نے ایسا فرمایا ہے۔

ان احادیث کریمہ کے صحیح ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور حضور کا ترکہ خیبر اور فدک وغیرہ ان کے قبضہ میں ہوا اور پھر ان کے بعد حسنین کریمین وغیرہ کے اختیار میں رہا۔ مگر ان میں سے کسی نے ازواج مطہرات، حضرت عباس اور ان کی اولاد کو باغ فدک وغیرہ سے حصہ نہ دیا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبی کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی ورنہ یہ تمام بزرگوار جو رافضیوں کے نزدیک معصوم اور اہل سنت کے

نزدیک محفوظ ہیں حضرت عباس اور ازواج مطہرات کی حق تلفی جائز نہ رکھتے۔
ان تمام شواہد سے خوب واضح ہو گیا کہ انبیائے کرام کے ترکہ میں وراثت نہیں جاری ہوتی اسی لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ کو باغ فدک نہیں دیا نہ کہ بغض و عداوت کے سبب جیسا کہ رافضیوں کا الزام ہے اس لیے کہ اگر حضرت سیدہ سے اُن کو دشمنی تھی تو ازواج مطہرات کو حضور کے ترکہ سے حصہ پہونچتا تو ان سے اور ان کے باپ بھائی وغیرہ متعلقین سے کیا عداوت تھی کہ ان سب کو محروم المیراث کر دیا جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ ان کی صاحبزادی بھی ازواج مطہرات میں سے تھیں بلکہ حضرت عباس حضور کے چچا اور حضرت ابو بکر کے ابتدائے خلافت سے مشیر و رفیق تھے جن کو تقریباً نصف ترکہ ملتا وہ کس دشمنی کے سبب وراثت سے محروم ہوئے؟
لہذا ماننا پڑے گا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد رسول لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ کے سبب حضرت سیدہ کو فدک نہ دیا کہ حدیث پر عمل کرنا ان پر لازم تھا۔ اس لیے کہ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت سیدہ کو خوش کرنے کے لیے انھیں حدیث کو پس پشت ڈال دینا چاہیے تھا اور ارشاد رسول پر انھیں عمل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اور جب حضرت ابو بکر صدیق نے حدیث رسول پر عمل کیا تو ان پر الزام کیا ہے جبکہ یہ روایت کہ حضرات انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے رافضیوں کی معتبر کتابوں سے بھی ثابت ہے جیسا کہ اصول کافی باب العلم والمتعلم میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ — ابو عبد اللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوْرِثُوْا دِیْنَارًا وَّلَادِرْھَمًا وَّلٰکِنْ اَوْرَثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَہٗ مِنْہُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ۔

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علمائے دین انبیائے کرام کے وارث ہیں اس لیے کہ انبیائے کرام کسی شخص کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے تو جس شخص نے علم دین حاصل کیا اس نے بہت کچھ حاصل کیا۔

اور اسی کتاب اصول کافی کے باب صفۃ العلم میں ہے

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَذٰلِکَ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوْرِثُوْا دِرْھَمًا وَّلَادِیْنَارًا وَاِنَّمَا اَوْرَثُوْا اَحَادِیْثَ مِنْ اَحَادِیْثِھِمْ فَمَنْ اَخَذَ بِشَیْءٍ مِّنْھَا فَقَدْ اَخَذَ حَظًّا وَّافِرًا۔

حضرت ابو عبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ علمائے کرام انبیائے عظام کے وارث ہیں اور یہ اس لیے کہ حضرات انبیائے کرام نے کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا انھوں نے تو صرف اپنی باتوں کا وارث بنایا تو جس شخص نے ان کی باتوں کو حاصل کر لیا اس نے بہت کچھ حاصل کیا۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رافضیوں کے نزدیک معصوم ہیں اور اہل سنّت کے نزدیک محفوظ ہیں ان کی روایتوں سے بھی ثابت ہو گیا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی میراث صرف علم شریعت ہی ہے وہ درہم و دینار اور مال و اسباب کا کسی کو وارث نہیں بناتے اور جب یہ بات رافضیوں کی روایات سے بھی ثابت ہے تو پھر سیدالانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی میراث تقسیم نہ کرنے کے سبب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہ فدک کے غصب کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وغیرہ قرآن و حدیث میں جہاں بھی انبیائے کرام کی وراثت کا ذکر ہے اس سے علم شریعت و نبوت ہی مراد ہے نہ کہ درہم و دینار

اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث نہ جاری ہوتی تو حضرت ابوبکر حضرت علی کو حضور کی تلوار، زرہ اور دلدل وغیرہ کیوں دیتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کو حضور کی تلوار وغیرہ کا دینا ہی اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ حضور کے ترکہ میں میراث نہیں۔ اس لیے کہ حضرت علی حضور کے وارث نہ تھے۔ اگر حضور کے ترکہ کے وارث ہوتے تو صرف فاطمہ زہرا، ازواج مطہرات اور حضرت عباس ہوتے نہ کہ حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) مگر چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مال وفات کے بعد عامۂ مسلمین کے لیے وقف کا حکم رکھتا ہے اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان چیزوں کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زیادہ لائق سمجھا تو ان کے لیے مخصوص کر دیا اور بعض چیزیں حضرت زبیر بن العوام اور حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو بھی دیں۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث نہیں

حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ کو نہیں ستایا

(رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

بے شک جس نے فاطمہ کو ستایا اس نے حضور کو ستایا اور جس نے فاطمہ کو ایذا دی اس نے حضور کو ایذا دی اس مضمون کی حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِّنِّيْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ يُرِيْبُنِيْ مَا اَرَابَهَا وَيُؤْذِيْنِيْ مَا اٰذَاهَا ۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص۵۶۸)

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے تو جو شخص اس کو غضب میں لایا مجھ کو غضب میں لایا اور ایک روایت میں ہے مجھ کو اضطراب میں ڈالتی ہے جو چیز فاطمہ کو اضطراب میں ڈالتی ہے اور مجھ کو تکلیف دیتی ہے جو چیز اس کو تکلیف دیتی ہے۔

یہ حدیث شریف حق ہے جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن یہ سمجھنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ کو ستایا یہ غلط ہے۔ ستانے کا مفہوم کیا ہے؟ جب حضرت سیدہ نے حضرت ابوبکر سے فدک کا مطالبہ کیا تو انہوں نے وہ حدیث شریف سنائی کہ جس کی تصدیق بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ یہاں تک کہ حضرت علی بھی کرتے ہیں تو حضرت سیدہ خاموش ہو گئیں کیا حدیث سنانا اور اس پر عمل کرنا سیدہ فاطمہ کو ستانا ہے؟

کون مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ حدیث پر عمل کرکے مجھکو ستایا گیا اور جب عام مسلمانوں کو حدیث رسول پر عمل کرنے سے تکلیف نہیں پہونچ سکتی تو حضرت فاطمہ زہراء جو حضور کی لخت جگر اور نور نظر ہیں ان کو حضور کی حدیث پر عمل کرنے سے کیونکر تکلیف پہونچ سکتی ہے؟ اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ حضرت سیدہ کو حدیث رسول پر عمل کرنے کے سبب تکلیف پہونچی جیساکہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو خود حضرت سیدہ پر الزام آتا ہے کہ ان کو حدیثِ رسول سے تکلیف پہونچی اور یہ بات سیدہ کی ذات سے ناممکن ہے۔

ہاں بخاری شریف کی بعض روایتوں میں حضرت سیدہ اور حضرت ابو بکر کے سوال وجواب کو نقل کرنے کے بعد حدیث کے راوی نے اپنے خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔

فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ وَهَجَرَتْ	پس حضرت فاطمہ ناراض ہوگئیں اور انھوں نے
اَبَا بَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتُهُ	حضرت ابو بکر کو چھوڑے رکھا یہاں تک کہ آپ
حَتّٰى تُوُفِّيَتْ وَعَاشَتْ بَعْدَ	کی وفات ہوگئی اور حضرت فاطمہ حضور کے
رَسُوْلِ اللّٰهِ سِتَّةَ اَشْهُرٍ	بعد چھ ماہ با حیات رہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ یہ الفاظ حضرت سیدہ کی زبان سے نہیں نکلے ہیں بلکہ یہ حدیث کے راوی کا اپنا ذاتی خیال ہے جس کو انھوں نے اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے یعنی حضرت ابو بکر کی شکایت کسی روایت میں حضرت سیدہ کی زبان سے ثابت نہیں ہے نہ کوئی حدیث کا راوی یہ کہتا ہے کہ ہم نے ابو بکر کی شکایت جناب سیدہ سے سنی ہے اور چونکہ ناراضگی دل کا فعل ہے اس

لیے جب تک اس کو زبان سے ظاہر نہ کیا جائے دوسرے شخص کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی البتہ آثار و قرائن سے دوسرے لوگ قیاس کر سکتے ہیں مگر ایسے قیاس میں غلطی ہو جانے کا بہت امکان ہے جیسے کہ ایک بار بہت سے صحابۂ کرام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلوت نشینی سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضور نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے مگر جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ طلاق نہیں دی ہے۔ اسی طرح فدک کے معاملہ میں بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سیدہ کی خاموشی اور ترک کلام سے راوی نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت سیدہ ناراض ہیں حالانکہ یہ بات نہیں کہ ناراضگی ہی ترک کلام کا سبب ہو بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے والد گرامی کی حدیث سن کر وہ مطمئن ہو گئیں اس لیے پھر کبھی انھوں نے حضرت ابو بکر سے فدک کے معاملہ میں گفتگو نہیں کی۔ اور حضرت سیدہ کے ناراض نہ ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ وہ برابر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گھر کے سارے اخراجات لیتی تھیں اور ان کی بیوی اسماء بنت عُمیس حضرت سیدہ کی تیمار داری کرتی تھیں اگر واقعی حضرت سیدہ ناراض ہوتیں تو ان کی اور ان کی بیوی کی خدمات کو وہ ہرگز قبول نہ فرماتیں۔

اور پھر حضور نے یہ فرمایا مَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ یعنی جو شخص اپنے قول یا فعل سے قصداً فاطمہ کو غضب میں لائے اس کے لیے وعید ہے۔ اس لیے کہ اغضاب کے معنی یہی ہیں۔ اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کبھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غضب میں لانے اور ایذا پہونچانے

کا قصد ہرگز نہیں کیا بلکہ وہ بارہا مقام عذر میں فرماتے رہے۔

یَا ابْنَۃَ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ قَرَابَۃَ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَصِلَ قَرَابَتِیْ۔	قسم ہے خدا کی اے رسول اللہ کی صاحبزادی! مجھے اپنی قرابت سے حضور کی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی زیادہ محبوب ہے۔

اور اگر حضرت سیدہ کا غضب میں ہونا بمقتضائے بشریت مان بھی لیا جائے تو یہ اُن کا اپنا فعل ہے حضرت ابوبکر پر کوئی الزام نہیں۔ اس لیے کہ اغضاب یعنی قصداً غضب میں لانے پر وعید ہے نہ کہ غضب پر۔ ہاں اگر اس لفظ کے ساتھ وعید ہوتی کہ مَنْ غَضِبَتْ عَلَیْہِ غَضِبْتُ عَلَیْہِ یعنی جس پر فاطمہ غصہ ہونگی تو اس پر میں غصہ ہوں گا۔ تو اس صورت میں البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام عائد ہوتا مگر اس طرح کے الزام سے پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہیں بچ سکتے۔ اس لیے کہ حضرت سیدہ بارہا ان پر غصہ ہوئیں ہیں جیسا کہ رافضیوں کے معتبر کتاب جلاء العیون ص۱۸۶ پر ہے۔ کہ ایک بار حضرت سیدہ زہرا مولیٰ علی سے ناراض ہوئیں تو حسن و حسین اور اُم کلثوم کو لیکر اپنے میکہ چلی گئیں بلکہ بعض مرتبہ اس قدر غصہ ہوتی تھیں کہ حضرت علی کو سخت و سست بھی کہہ دیا کرتی تھیں جیسا کہ رافضی مذہب کی مشہور کتاب حق الیقین کے ص۲۳۳ پر ہے کہ حضرت سیدہ نے ایک بار حضرت علی سے ناراض ہو کر یہ جملہ کہدیا کہ

مانند جنین در رحم پردہ نشین شدہ و مثل خائباں درخانہ گریختہ	حمل کے بچہ کی طرح ماں کے پیٹ میں چھپ گئے اور نامرادوں کی طرح گھر میں بیٹھ گئے۔

خلاصہ یہ کہ رافضی اور سُنّی دونوں کی معتبر کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جس سے حضرت سیدہ کا حضرت علی پر ناراض ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ ان کی ناراضگی حضرت علی سے وقتی اور عارضی ہوتی تھی پھر اس کے بعد آپ راضی بھی ہو جاتی تھیں تو ہم کہتے ہیں اول تو حضرت ابوبکر پر حضرت سیّدہ کی زبان سے ناراض ہونا ہی ثابت نہیں۔ اور اگر حدیث شریف کے راوی کے خیال کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ ناراضگی بھی عارضی اور وقتی تھی جیسا کہ رافضی اور سُنّی دونوں کی روایتوں سے ثابت ہے کہ مطالبۂ فدک کے بعد حضرت سیّدہ نے حضرت ابوبکر سے بولنا چھوڑ دیا تو آپ نے حضرت علی کو اپنا سفارشی بنایا یہاں تک کہ حضرت زہرا آپ سے راضی ہو گئیں جیسا کہ سُنّیوں کی کتاب مدارج النبوۃ، کتاب الوفا بیہقی اور شرح مشکوٰۃ میں یہ روایت موجود ہے بلکہ محدّث کبیر حضرت شیخ عبدالحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطالبۂ فدک کے بعد حضرت سیّدہ کے گھر گئے اور دھوپ میں ان کے دروازہ پر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہو گئیں۔

(اشعۃ اللمعات جلد سوم صفحہ ۴۵۴)

اور رافضیوں کی کتاب محاج السالکین میں ہے

اِنَّ اَبَا بَکْرٍ لَمَّا رَأٰی اَنَّ فَاطِمَۃَ	بے شک جب حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ فاطمہ
اِنْقَبَضَتْ عَنْہُ وَھَجَرَتْہُ وَلَمْ تَتَکَلَّمْ	مجھ سے تنگ دل ہو گئیں اور چھوڑ دیا اور
بَعْدَ ذٰلِکَ فِیْ اَمْرِ فَدَکَ وَکَبُرَ	فدک کے بارے میں بات کرنا ترک کر دیا

ذٰلِكَ عِنْدَهٗ فَاَرَادَ اسْتِرْضَاءَهَا
فَاَتَاهَا فَقَالَ لَهَا صَدَقْتِ يَا
اِبْنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْمَا ادَّعَيْتِ
وَلٰكِنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَسِّمُهَا
فَيُعْطِي الْفُقَرَآءَ وَالْمَسَاكِيْنَ
وَابْنَ السَّبِيْلِ بَعْدَ اَنْ يُّؤْتِيَ
مِنْهَا قُوْتَكُمْ وَالصَّانِعِيْنَ بِهَا
فَقَالَ اِفْعَلْ فِيْهَا كَمَا كَانَ اَبِيْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فِيْهَا فَقَالَ ذٰلِكَ
اللّٰهُ عَلَيَّ اَنْ اَفْعَلَ فِيْهَا مَا كَانَ
يَفْعَلُ اَبُوْكِ فَقَالَتْ وَاللّٰهِ
لَتَفْعَلَنَّ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَاَفْعَلَنَّ
فَقَالَتْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَرَضِيَتْ
بِذٰلِكَ وَاَخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَيْهِ
وَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ يُعْطِيْهِمْ مِنْهَا
قُوْتَهُمْ وَيُقَسِّمُ الْبَاقِيَ فَيُعْطِي
الْفُقَرَآءَ وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ۔

تو یہ ان پر بہت گراں ہوا انھوں نے حضرت
سیدہ کو راضی کرنا چاہا تو ان کے پاس گئے
اور کہا اے رسول کی صاحبزادی آپ نے جو
کچھ دعویٰ کیا تھا سچا تھا لیکن میں نے حضور
کو دیکھا کہ وہ فدک کی آمدنی فقیروں مسکینوں
اور مسافروں کو بانٹ دیتے تھے اسی میں
سے آپ کو اور فدک میں کام کرنے والوں کو
دیتے تھے تو حضرت سیدہ نے کہا کہ کرو جیسا
کہ میرے باپ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کرتے تھے تو حضرت ابوبکر نے کہا قسم ہے خدا
کی میں آپ کے واسطے وہ کام کروں گا جو آپ کے
والد گرامی کرتے تھے تو حضرت سیدہ نے کہا قسم
ہے خدا کی آپ ضرور ویسا ہی کریں گے پھر حضرت
ابوبکر نے کہا خدا کی قسم میں ضرور کروں گا تو
حضرت سیدہ نے کہا اے خدا تو گواہ ہے پھر
حضرت سیدہ راضی ہو گئیں اور حضرت ابوبکر
سے عہد لیا اور وہ فدک کی آمدنی سے پہلے
حضرت سیدہ وغیرہا کو دیتے تھے پھر باقی فقیروں
مسکینوں اور مسافروں کو بانٹ دیتے تھے

کیا حضرت سیدہ حضرت ابوبکر سے ناراض تھیں

رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اور رافضی لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت کر دی تھی کہ ابوبکر میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں اسی لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ کو رات ہی میں دفن کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ سیدہ ان سے راضی نہیں ہوئی تھیں اور ان لوگوں کے مابین صلح صفائی نہیں ہوئی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کی معتبر کتابوں سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا نے یہ وصیت کی تھی کہ حضرت ابوبکر میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ یہ رافضیوں کا افترا و بہتان ہے اس لیے کہ وہ ایسی وصیت کیسے کر سکتی تھیں جبکہ نماز جنازہ پڑھانے کا حق بحیثیت امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق ہی کو تھا اسی لیے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینے کے حاکم مروان بن حکم کو (اور ایک روایت میں سعید بن عاص کو) حضرت امام حسن کا جنازہ پڑھانے سے نہیں روکا اور فرمایا کہ اگر شریعت کا حکم ایسا نہ ہوتا تو میں جنازہ کی نماز تمھیں نہ پڑھانے دیتا۔ (اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۲۵۵) اور جب نماز جنازہ پڑھانے کا حق خلیفۃ المسلمین ہی کو تھا تو حضرت سیدہ کسی کی حق تلفی کی وصیت ہرگز نہیں کر سکتیں۔

معلوم ہوا کہ اس قسم کی وصیت کی نسبت حضرت سیدہ کی جانب غلط ہے البتہ انھوں نے مرض الموت میں یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد مجھے بے پردہ

مردوں کے سامنے نہ نکالیں اس لیے کہ اس زمانہ میں یہ رسم تھی کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی بے پردہ نکالتے تھے تو حضرت ابوبکر کی بیوی اسماء بنت عمیس نے حضرت سیدہ کے جنازہ کے لیے لکڑیوں کا ایک گہوارہ بنایا جس کو دیکھکر وہ بہت خوش ہوئیں لہذا ان کی وصیت انتہائی شرم وحیا کے سبب سے تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے خاص نہ تھی بلکہ عام تھی اسی لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ کو رات ہی میں دفن کر دیا۔

اور سیدہ کے جنازہ میں حضرت ابوبکر صدیق کا شریک نہ ہونا بخاری یا صحاح کی کسی روایت سے ثابت نہیں بلکہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر صدیق ہی نے پڑھائی جیسا کہ طبقات ابن سعد میں امام شعبی اور امام نخعی سے دو روایتیں مروی ہیں۔

عَنِ الشَّعْبِیْ قَالَ صَلّٰی عَلَیْهَا اَبُوْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَعَنْ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ صَلّٰی اَبُوْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقُ عَلٰی فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَکَبَّرَ عَلَیْهَا اَرْبَعًا۔

حضرت امام شعبی اور ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ حضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر نے پڑھائی اور نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

اور اگر جنازہ میں شریک نہ ہونا مان بھی لیا جائے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کو بلانے کے لیے کسی کو نہ بھیجا ہو تو حضرت ابوبکر نے سمجھا ہو کہ اس میں کوئی مصلحت ہے اس لیے شریک نہ ہوئے ہوں۔

اور حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر انتظار میں رہے ہوں کہ ان کو بلایا جائے گا اور حضرت علی نے یہ خیال کیا ہو کہ وہ خود آئیں گے اور رات کا وقت تھا اس لیے ان کی شرکت کے بغیر تجہیز و تکفین کر دی گئی کذا ذکرہ السمہودی فی تاریخ المدینۃ۔

(اشعۃ اللمعات جلد سوم صفحہ ۴۵۴)

اور اگر رافضی کسی بات کو نہ مانیں اور جنازہ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ حضرت سیدہ کی وصیت ہی کو ٹھہرائیں تو پھر ان کے پاس اس کا کیا جواب ہے گا کہ سیدہ کی نماز جنازہ صرف سات آدمیوں نے پڑھی جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب جلاء العیون میں کلینی سے روایت ہے کہ

از امیر المومنین صلوات اللہ تعالیٰ علیہ روایت کردہ است کہ ہفت کس بر جنازہ فاطمہ نماز کردند ابوذر و عمار و حذیفہ وعبداللہ بن مسعود و مقداد و من امام ایشاں بودم۔	امیر المومنین حضرت علی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ صرف سات آدمیوں نے فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھی ابوذر، سلمان، عمار، حذیفہ، عبداللہ بن مسعود، مقداد اور میں ان کا امام تھا۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صرف سات آدمیوں نے حضرت سیدہ کی نماز جنازہ پڑھی اور مندرجہ ذیل حضرات ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عقیل بن طالب، حضرت جعفر بن طالب، حضرت قیس بن سعد، حضرت ابو انصاری، حضرت ابوسعید خدری، حضرت سہل بن حنیف، حضرت بلال، حضرت

صہیب، حضرت براء بن عازب اور حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

یہ تیرہ حضرات جن کو رافضی بھی مانتے ہیں اور یہ لوگ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے ان کے بارے میں وہ کیا کہیں گے؟ کیا حضرت سیدہ ان سے بھی ناراض تھیں کیا انھوں نے یہ بھی وصیت کر دی تھی کہ میرے جنازہ میں امام حسن و امام حسین بھی شریک نہ ہوں جو ان کے لاڈلے اور چہیتے بیٹے تھے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جنازہ میں شریک ہونے نہ ہونے کو رضامندی یا ناراضگی کی بنیاد بنانا ہی غلط ہے ورنہ حضرات حسنین کے بارے میں بھی کہنا پڑے گا کہ ان حضرات سے سیدہ ناراض تھیں اور جنازہ میں شریک نہ ہونے کیلئے وصیت کر گئی تھیں تو ثابت ہوا کہ اگر حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت سیدہ کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی تو اس کو آپ سے حضرت سیدہ کی ناراضگی کی دلیل ٹھہرانا غلط ہے۔

حضرت ابو بکر نے حضرت سیدہ کو اپنی پوری جائداد پیش کی

(رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت التجا کے ساتھ اپنی پوری جائیداد حضرت سیدہ کو پیش کی جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب حق الیقین میں ہے کہ

حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فدک کا مطالبہ کیا تو انہوں نے حدیث رسول لَا نُوْرِثُ

مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ کو سنانے کے بعد بہت معذرت کی اور کہا کہ

اموال و احوال خود را از تو مضائقہ نمی
کنم آں چہ خواہی بگیر تو سیدہ امت
پدر خودی ۔ و شجرۂ طیب از برائے
فرزندان خود انکار فضل تو کسے نمی تواند
گردد ۔ تو حکم تو نافذ ست در اموال من
اما در اموال مسلمانان مخالفت گفتۂ پدر تو
نمی توانم کرد

میرے جملہ اموال و احوال میں آپ کو اختیار
ہے آپ جو چاہیں بلا روک ٹوک لے سکتی
ہیں آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
امت کی سردار ہیں اور آپ کے فرزندوں
کے لیے شجرۂ مبارکہ ہیں آپ کی فضیلت کا
کوئی انکار نہیں کر سکتا اور آپ کا حکم میرے
تمام مالوں میں نافذ ہے لیکن مسلمانوں کے
مالوں میں آپ کے والد ماجد سید عالم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت میں
نہیں کر سکتا ۔ (حق الیقین ملا مجلسی ص ۲۳۱)

رافضیوں کی اس مذہبی کتاب سے خوب واضح ہو گیا کہ حضرت سیدہ حضرت
ابوبکر کے نزدیک بہت محترم تھیں وہ حضرت سیدہ کی بہت عزت کرتے تھے۔
ہرگز ہرگز ان کے دل میں حضرت سیدہ کی طرف سے کوئی بغض و عناد نہ تھا صرف
حدیث رسول کے سبب فدک ان کے حوالہ نہ کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلے
میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن ہر طرح کے الزام سے پاک ہے
اور ان پر باغ فدک کے غصب اور حضرت سیدہ کی دشمنی کا الزام لگانا سراسر
غلط ہے۔

اس مفصل جواب کا مقصد بحث و مناظرہ نہیں ہے بلکہ اپنے مسلک

کی وضاحت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی واجب الاحترام ہستی پر جو طعن کیا جاتا ہے اس سے مدافعت مقصود ہے۔ خدائے تعالیٰ سب کو ہٹ دھرمی سے بچائے اور حق بات قبول کرنے کی سب کو توفیق رفیق بخشے آمین برحمتك یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۰

کتبہ جلال الدین احمد امجدی

۲۴ ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

حدیث قرطاس اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کیا فرماتے ہیں علمائے ملت اسلامیہ اس مسئلہ میں کہ رافضی لوگ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے درد کی شدت میں صحابہ سے فرمایا کہ قلم دوات لاؤ تاکہ میں تم لوگوں کے لیے ایک تحریر لکھدوں جس سے تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہو تو حضرت عمر نے کہا کہ اس وقت حضور کو درد کی شدت ہے وہ ہذیان بول رہے ہیں لکھنے کا سامان لانے کی ضرورت نہیں تمھارے لیے خدا کی کتاب کافی ہے اس بات پر جب صحابہ نے قلم دوات لانے میں اختلاف کیا اور لوگوں کی گفتگو سے شور و غل ہوا تو حضور نے سب کو اپنے پاس سے اٹھا دیا اس واقعہ سے چار اعتراض پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ حضرت عمر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کو رد کر دیا حالانکہ حضور کا قول وحی ہے جیساکہ قرآن پاک میں ہے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۔ اور وحی کا رد کرنا کفر ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہذیان کی نسبت کی۔ یعنی بہکی بہکی باتیں کرنا اس میں حضور کی توہین ہوئی اس لیے کہ نبی کو کبھی جنون نہیں ہوسکتا اور نہ کبھی وہ بہکی بہکی باتیں کرسکتا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لوگوں نے شور و غل کیا اور چلائے جبکہ قرآن حکیم میں ہے کہ جو پیغمبر کی آواز سے اپنی آواز

اونچی کرے گا اس کی سب نیکیاں برباد ہو جائیں گی ۔

(۴) چوتھے یہ کہ لکھنے کا سامان نہ دینے سے مسلمانوں کی حق تلفی ہوئی اگر حضور تحریر لکھدیتے تو مسلمان گمراہی سے محفوظ ہو جاتے ۔

ان اعتراضوں کے مدلل اور مفصل جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا ۔

المستفتی :۔ محمد قمر الدین قادری چشتی ڈاکخانہ منڈی ضلع پونچھ (جموں کشمیر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۝

جوابات لکھنے سے پہلے ہم اس واقعہ سے متعلق دو روایتیں درج کرتے ہیں تا کہ اصل واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد جوابات کے سمجھنے میں آسانی ہو ۔

پہلی روایت

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ ابْنُ	حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
عَبَّاسٍ يَوْمَ الْخَمِيْسِ اِشْتَدَّ	روایت ہے انھوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس
بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى	رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جمعرات کے
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهٗ فَقَالَ	دن جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اِئْتُوْنِيْ بِكَتِفٍ اَكْتُبْ لَكُمْ	کو درد زیادہ ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے
كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ	پاس شانہ کی ہڈی لاؤ میں تمھارے لیے ایک
اَبَدًا فَتَنَازَعُوْا وَلَا يَنْبَغِيْ	تحریر لکھدوں تا کہ اس کے بعد تم لوگ کبھی
عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا	نہ بھٹکو ، تو لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا

مَا شَانُهٗ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ فَذَهَبُوْا يَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ فَقَالَ دَعُوْنِيْ ذَرُوْنِيْ فَالَّذِيْ اَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِّمَّا تَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ فَاَمَرَهُمْ بِثَلٰثٍ فَقَالَ اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ اَجِيْزُهُمْ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ۔

اور نبی کے پاس اختلاف مناسب نہیں۔ تو کئی لوگوں نے کہا کہ حضور کا کیا حال ہے کیا جدائی کا وقت قریب آگیا ہے آپ سے دریافت کرو۔ بعض صحابہ نے لکھنے کے بارے میں آپ سے دریافت کرنا شروع کیا تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو اس لیے کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم لوگ مجھے بلا رہے ہو اور آپ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ اول مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔ دوم ایلچیوں کو انعام دو جیسا کہ میں دیا تھا۔ یہ کہہ کر تیسری وصیت سے خاموش ہو گئے یا راوی نے کہا کہ میں اس کو بھول گیا۔ (بخاری مسلم)

دوسری روایت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيْهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ النَّبِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ جب حضور کے وصال کا وقت قریب آیا تو حجرۂ مبارکہ میں بہت سے لوگ موجود تھے جن میں حضرت عمر بن خطاب

صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلُمُّوْا
اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا
بَعْدَهٗ فَقَالَ عُمَرُ قَدْ غَلَبَ عَلَیْهِ
الْوَجْعُ وَعِنْدَکُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُکُمْ
کِتَابُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَ اَهْلُ
الْبَیْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ
یَقُوْلُ قَرِّبُوْا یَکْتُبْ لَکُمْ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
وَمِنْهُمْ مَنْ یَقُوْلُ مَا قَالَ
عُمَرُ فَلَمَّا اَکْثَرُوا اللَّغَطَ وَ
الْاِخْتِلَافَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
قُوْمُوْا عَنِّیْ۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے فرمایا آؤ میں تم لوگوں کے لیے
ایک تحریر لکھ دوں تاکہ اس کے بعد تم نہ بھٹکو
تو حضرت عمر نے کہا کہ اس وقت حضور کو بیماری
کی تکلیف زیادہ ہے تمھارے پاس قرآن
ہے وہی اللہ کی کتاب تمھارے لیے کافی ہے
تو حجرہ میں جو لوگ موجود تھے انھوں نے
اختلاف کیا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ حضور کے
پاس لکھنے کا سامان رکھ دو تاکہ وہ تمھارے
لیے تحریر لکھ دیں۔ اور بعض لوگ وہی کہتے
تھے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ جب
لوگوں نے باتیں بڑھا دیں اور اختلاف
زیادہ پیدا ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے
اٹھ جاؤ۔ (بخاری و مسلم)

اجمالی جواب

حدیث شریف سے اصل واقعہ کی تفصیل کے بعد اجمالی جواب یہ ہے
کہ یہ کام صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہیں کیا بلکہ دوسرے صحابہ

بھی اس میں شریک ہیں۔ اس لیے کہ جتنے صحابہ اس وقت حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ میں موجود تھے اس معاملہ میں وہ لوگ دو گروہ ہو گئے تھے اور حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اس وقت موجود تھے تو اگر یہ دونوں حضرات لکھنے کا سامان نہ لانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی موافقت کیئے تو یہ سارے الزامات ان دونوں حضرات پہ بھی عائد ہوتے ہیں اور اگر یہ لوگ لکھنے کا سامان لانے کی تائید میں تھے یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مخالفت کیئے تو اس صورت میں حضور کی بارگاہ میں آواز بلند کرنے اور روکنے والوں کے سبب رک جانے یعنی لکھنے کا سامان حاضر نہ کرنے کا الزام ان دونوں حضرات پر بھی عائد ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے لکھنے کا سامان کیوں نہ پیش کر دیا ——— اور پھر یہ واقعہ جمعرات کا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ مبارکہ (پیر) کو ہوا تو فرصت کا موقع بہت تھا حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس درمیان میں حضور سے کیوں نہ لکھا لیا۔

اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ان لفظوں کے ساتھ تھا

اِیْتُوْنِیْ بِقِرْطَاسٍ — تم لوگ میرے پاس کاغذ لاؤ

تو یہ حکم سب حاضرین سے تھا نہ کہ صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لہذا اگر حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حکم فرض یا واجب مانا جائے تو حاضرین میں سے ہر ایک کو گنہگار تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور اگر فرض و واجب نہ مانا جائے تو ان میں سے کسی پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا اور یہی حق ہے۔ رافضیوں کے

سارے اعتراضات باطل و غلط ہیں۔ ہر ایک کے تفصیلی جوابات نمبروار درج ذیل ہیں۔

حضور کے قول کو حضرت عمر نے نہیں رد کیا

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱) یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کو رد کر دیا۔ اس لیے کہ انھوں نے درد کی شدت میں حضور کے آرام و راحت کا خیال کیا کہ حضور محنت و مشقت میں نہ پڑیں اور اسے رد نہیں کہتے۔ ہر شخص اپنے عزیز بیمار کو محنت و مشقت میں پڑنے سے بچاتا ہے خاص کر بزرگ اگر کسی وقت شدت مرض میں مبتلا ہوتا ہے اور حاضرین کے فائدہ کے لیے خود ہی کچھ مشقت اٹھانا چاہتا ہے تو کوئی بھی اسے گوارا نہیں کرتا یہی سب لوگوں میں معمول ہے۔

لہٰذا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کے فائدے کے لیے مشقت میں پڑنا چاہتے ہیں کہ خود لکھیں یا لکھائیں بہرحال مضمون بتانا یا خود لکھنا شدت مرض میں تکلیف کا سبب ہوگا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اسے ازراہ محبت گوارہ نہ کیا اور بلحاظ ادب حضور کو خطاب نہ کیا بلکہ اور لوگوں کو کتاب اللہ کے اشارہ سے ثابت کیا کہ حضور کو مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں تاکہ حضور کے کان مبارک تک یہ آواز پہونچے اور آپ جان لیں کہ شدت مرض میں ایسی مشقت اٹھانے کی چنداں

ضرورت نہیں۔

اور اس معاملہ میں عقلمندوں کے نزدیک حقیقت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باریک بینی ہے جو لائق صد تعریف ہے کہ تقریباً تین ماہ پہلے یہ آیہ کریمہ نازل ہو چکی تھی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ۔ (پ ۶ ع ۵)	آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمہارے اوپر تمام کر دیا۔

تو اس آیت کریمہ نے نسخ وتبدیل اور دین کے احکام میں کمی بیشی کے دروازے کو بالکل بند کر کے اس پر مہر لگا دی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی اسی آیت کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللهِ	اللہ کی کتاب تم کو کافی ہے

مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ سمجھا جائے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حالت میں کوئی ایسی نئی بات لکھانے والے ہیں جو پہلے سے کتاب و شریعت میں نہیں آئی ہے تو آیت کریمہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کا جھٹلانا لازم آتا ہے اور یہ ذات اقدس صلی اللہ تعالے علیہ وسلم سے محال ہے لہذا حضور کا مقصد یہ ہے کہ ان احکام کی تاکید فرمائیں جو پہلے مقرر فرما چکے ہیں تو شدت مرض میں حضور کو مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں بہتر ہے کہ وہ آرام فرمائیں ہم کو خدائے تعالےٰ کی کتاب اور اس کی تاکید کافی ہے۔ اور اس بات پر حدیث شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جملہ گواہ ہے کہ

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ غَلَبَ عَلَیْہِ الْوَجَعُ وَعِنْدَکُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُکُمْ کِتَابُ اللّٰہِ ؕ	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے وہی اللہ کی کتاب تم کو کافی ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں یہ کہنا کہ انھوں نے حضور کی بات کو رد کر دی۔ انتہائی نادانی وجہالت اور بغض وعداوت ہے کہ اس قسم کی مصلحت آمیز باتیں اور مشورے حضور وصحابہ کے درمیان اکثر ہوا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس خصوص میں سب سے زیادہ ممتاز تھے کہ منافقوں پر نماز پڑھنے، ازواج مطہرات کو پردہ نشین کرنے، جنگ بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے، مقام ابراہیم کو مصلےٰ ٹھہرانے اور بشر منافق کے قتل وغیرہ بہت سے معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عرض ومشورے کے مطابق وحی نازل ہوئی اور اکثر واقعات میں ان کی بات اللہ ورسول کی بارگاہ میں مقبول ہوئی۔

اور اگر اس قسم کی مصلحت آمیز باتوں کے پیش کرنے کو حضور کی بات کا رد کرنا یا وحی کا ٹھکرانا قرار دیا جائے جیسا کہ رافضی لوگ کرتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی کئی معاملہ میں حضور کی بات کے رد کرنے اور وحی کے ٹھکرانے کا الزام عائد ہو جائے گا۔

اوّل یہ کہ بخاری شریف میں متعدد طریقے سے مروی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی وحضرت فاطمہ زہرا، رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے

مکان پر رات کے وقت تشریف لے گئے ان کو خواب گاہ سے اٹھایا اور نماز تہجد ادا کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا قُومَا فَصَلِّيَا یعنی تم دونوں اٹھ کر نماز پڑھو۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

وَاللّٰهِ لَا نُصَلِّیْ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ خدا کی قسم ہم فرض نماز سے زیادہ نہیں پڑھیں گے۔

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے گھر سے واپس ہو گئے اور فرمایا

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (پ۱۵ ع ۲۰) اور آدمی ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔

کیا اس واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وحی کا ٹھکرانے والا کہا جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ ان کی ملامت نہ فرمائی۔

دوسرے یہ کہ صحیح بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو صلحنامہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کافروں کے درمیان لکھا جا رہا تھا اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضور کے نام کے ساتھ لفظ "رَسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا تو مشرکین مکہ نے اس لفظ کے لکھنے پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم اگر رسول اللہ مانتے تو پھر آپ سے کیوں لڑتے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا اُمْحُ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یعنی رسول اللہ کا لفظ مٹا دو تو حضرت علی نے کہا قسم خدا کی ہم ہرگز نہیں مٹائیں گے تو حضور صلی اللہ تعالےٰ

علیہ وسلم نے صلح نامہ ان کے ہاتھ سے لیکر خود مٹایا۔

کیا اس واقعہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو حضور کی بات رد کرنے والا اور وحی کا ٹھکرانے والا قرار دیا جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ خلاف درجہ ان کو حضور سے محبت کرنے والا قرار دیا جائے گا تو پھر ازراہ محبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ درد کی شدت میں حضور کا مشقت میں پڑنا گوارا نہ فرمایا تو ان کو وحی کا ٹھکرانے والا کیوں قرار دیا جائے گا۔

اگر رافضی ایسی باتوں کو بھی پیغمبر کے قول کا رد کرنا اور وحی کا ٹھکرانا کہیں گے تو اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماریں گے اس لیے کہ رافضی کی معتبر کتابوں میں بھی اس قسم کے واقعات پائے جاتے ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر عمل نہیں کیا جیسا کہ شریف مرتضیٰ نے جس کا لقب امامیہ کے نزدیک علم الہدیٰ ہے اپنی کتاب "درر غرر" میں محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی اور انھوں نے اپنے باپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انھوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تہمت کے بارے میں لوگوں نے بہت باتیں کیں اس لیے کہ ان کا چچا زاد بھائی ان سے کبھی کبھی ملنے کے لیے آیا کرتا تھا تو حضور نے حضرت علی سے فرمایا

خُذْ هٰذَا السَّيْفَ وَانْطَلِقْ	اس تلوار کو لے کر جاؤ اور ماریہ کے پاس
فَاِنْ وَجَدْتَهٗ عِنْدَهَا فَاقْتُلْهُ۔	اگر اس مرد کو پاؤ تو قتل کر دو۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں حضور کے حکم کے مطابق اس مرد کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے جان لیا کہ میں اس کا قصد رکھتا ہوں تو وہ میرے پاس آکر کھجور کے درخت پر چڑھتے ہوئے اپنے آپ کو پیٹھ کے بل گرادیا اور دونوں پاؤں کو اٹھادیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مجبوب ہے یعنی مقطوع الذکر والخصیتین ہے اس کے پاس مردوں کے جیسا کچھ نہیں ہے تو میں نے اپنی تلوار میان میں کرلی اور واپس آکر حضور سے اس کا سارا حال بیان کیا تو حضور نے فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یُصْرِفُ عَنَّا الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ۔

خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ ہمارے جماعہ اہل بیت کو گندگی سے بچاتا ہے۔

اور محمد بن بابویہ نے امالی میں و دیلمی نے "ارشاد القلوب" میں روایت کی ہے

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطٰی فَاطِمَۃَ سَبْعَۃَ دَرَاھِمَ وَقَالَ اَعْطِیْھَا عَلِیًّا وَمُرِیْہِ اَنْ یَّشْتَرِیَ لِاَھْلِ بَیْتِہٖ طَعَامًا فَقَدْ غَلَبَھُمُ الْجُوْعُ فَاَعْطَتْھَا عَلِیًّا وَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سات درم عطا فرمایا اور حکم دیا کہ یہ درم علی کو دے کر کہدو کہ وہ اپنے اہل بیت کے واسطے کھانا خرید لائیں کہ ان پر بھوک غالب ہو رہی ہے تو حضرت فاطمہ نے وہ درم حضرت علی کو دیا اور کہا بیشک حضور نے حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے واسطے

اَمَرَتْہُ اَنْ یَّبْتَاعَ لَنَا طَعَامًا	کھانا خرید لائیں تو حضرت علی وہ درم
فَاَخَذَ هَا عَلِیٌّ وَّخَرَجَ مِنْ	لیکر اپنے اہل بیت کے واسطے کھانا خریدنے
بَیْتِہٖ لِیَبْتَاعَ طَعَامًا لِاَهْلِ	کے لیے گھر سے نکلے راستہ میں سُنا ایک شخص
بَیْتِہٖ فَسَمِعَ رَجُلًا یَّقُوْلُ مَنْ	کہتا ہے کہ کون ایسا آدمی ہے جو سچے وعدہ
یُّقْرِضُ الْمَلِیَّ الْوَفِیَّ فَاَعْطَاهُ	پر ہم کو قرض دے تو حضرت علی نے وہ درم
الدَّرَاهِمَ۔	اس کو دیدیئے۔

اس واقعہ میں حضور کے حکم کی مخالفت بھی ہے اور غیر کے مال میں بلا اجازت تصرف بھی اور اپنے اہل وعیال کے حق کا تلف کرنا بھی اور حضور کی اولاد کو بھوکا رکھکر ان کو رنج پہونچانا بھی مگر یہ سب انھوں نے اللہ واسطے کیا اور ایثار کیا جو قابل تعریف و تحسین ہے۔ حضور کے حکم کا رد کرنا اور وحی کا ٹھکرانا نہیں ہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب جانتے تھے کہ ہمارے اس فعل سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت فاطمہ زہرا، اور حسنین سبھی راضی ہوں گے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ان تمام واقعات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر قول وحی الٰہی نہیں ہے ورنہ لفظ رسول اللہ کے مٹانے، قبطی مرد کے قتل کرنے، کھانا خریدنے اور تہجد کی نماز پڑھنے کا حکم سب وحی الٰہی ہوتا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وحی الٰہی کے ٹھکرانے کا الزام عائد ہوتا اور جنگ تبوک کے موقع پر جبکہ حضور نے حضرت علی کو اہل وعیال میں رہنے کا حکم دیا تو ان کا یہ کہنا ہرگز نہ ہوتا اَتُخَلِّفُنِیْ فِی النِّسَاءِ

وَ الصِّبْیَانِ یعنی کیا آپ ہم کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑ جاتے ہیں
بلکہ ہم یہاں تک کہتے ہیں کہ رافضی سُنی دونوں کے نزدیک حکم الٰہی کے خلاف مصلحت کو پیش کرنا اور مشقت کو ٹالنے کے لیے بار بار اصرار کرنا بھی وحیِ الٰہی کو ٹھکرانا نہیں ہے جیسا کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے نو بار خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹ لوٹ کر گئے اور عرض کیا کہ یَا اِلٰہَ الْعٰلَمِیْنَ میری امت اتنی نمازوں کا بوجھ نہ اٹھا سکے گی۔

اگر معاذ اللہ رب العٰلمین یہ وحی کا رد کرنا اور ٹھکرانا ہوتا تو سید الانبیاء سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا صدور ہرگز نہ ہوتا اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسا مشورہ دیتے اور قرآن مجید سورۂ شعراء میں ہے

وَ اِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا یَتَّقُوْنَ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ قَالَ کَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَآ اِنَّا مَعَکُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ۔ (پ ۱۹ ع ۶)

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے موسیٰ کو ندا فرمائی کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ جو فرعون کی قوم ہے کیا وہ نہیں ڈریں گے عرض کیا اے میرے رب۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی لہذا تو ہارون کو بھی رسول کر۔ اور اس قوم کا مجھ پر ایک الزام ہے تو میں ڈرتا ہوں کہیں مجھ کو قتل کردیں۔ فرمایا یوں نہیں۔ تم دونوں میری

نشانیاں لے کر جاؤ بیشک ہم تمہارے ساتھ

سننے والے ہیں۔

ان آیات مبارکہ سے بھی ثابت ہو گیا کہ خدائے تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں مصلحت کو پیش کرنا وحی الٰہی کا رد نہیں ہے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں ہرگز اس کے مرتکب نہ ہوتے۔ اور پھر رافضی سُنّی دونوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ اللہ و رسُول کا ہر حکم وجوب کا مقتضی نہیں ہوتا بلکہ مستحب ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے جیسا کہ سُنّیوں کی کتاب "نورالانوار" اور رافضیوں کی کتاب "درر غرر" میں مذکور ہے لہذا جس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض حکم کو مستحب سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا اور موردِ الزام نہ ہوئے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضور کے حکم کو مستحب ٹھہرا کر درد کی شدت میں آپ کو مشقت میں ڈالنا ضروری نہ سمجھا تو وہ بھی موردِ الزام نہ ہوئے۔ وھو تعالیٰ اعلم

حضور کی طرف حضرت عمر نے ہذیان کی نسبت نہیں کی

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۲) اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سرکار اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہذیان کی نسبت کی ہے۔ اس لیے کہ حدیث شریف کا یہ جملہ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ (کیا حضور نے پریشان بات کہی ان سے

پوچھو) حضرت عمر ہی نے کہا یقین کے ساتھ ہرگز ثابت نہیں کہ بخاری و مسلم وغیرہ کی اکثر روایتوں میں یوں ہے۔

قَالُوْا مَا شَانُهٗ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ۔ — لوگوں نے کہا حضور کا کیا حال ہے کیا بھول، پریشان بات کہی ان سے سمجھے پوچھو۔

مطلب یہ ہے کہ ہجر کے معنی پریشان و ہذیان اور بیہودہ بکنے کے بھی ہیں یہ تو تسلیم ہے مگر ہو سکتا ہے کہ کلام میں استفہام انکاری ہو جیسے کہ پارہ اوّل رکوع دوم میں ہے کہ منافقوں نے کہا۔

اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ — کیا ہم ایمان لائیں جیسے کہ بیوقوف لوگ ایمان لائے یعنی ہم ایمان نہیں لائیں گے تو اسی طرح جو لوگ لکھنے کا سامان لانے کی [illegible] ہو سکتا ہے انہی لوگوں نے کہا ہو اَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ۔ کیا حضور نے ہجر کیا یعنی ہذیان نہیں کیا ہے لکھنے کا سامان لانا [illegible] ہو سکتا ہے کہ جو لوگ لکھنے کا سامان لانے کے [illegible] تھے انہیں لوگوں نے استفہام انکاری کے طور پر کہا ہو اَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ یعنی حضور کو ہذیان تو ہوا نہیں اس لیے کہ نبی اس سے محفوظ ہوتے ہیں تو آپ کا کلام ہماری سمجھ میں نہیں آتا کون سی ایسی ضروری چیز ہے جسے حضور شدتِ درد میں لکھنا چاہتے ہیں پھر سے پوچھو۔

اور نہ سمجھنے کی وجہ بالکل ظاہر تھی اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ احکام کو خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب فرماتے تھے اور اس موقع پر یہ نہیں فرمایا کہ۔ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَكْتُبَ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ — بیشک اللہ نے مجھ کو فرمایا ہے کہ میں تم لوگوں کے لیے ایک کتاب لکھ دوں تاکہ تم گمراہ نہ ہو۔

لہذا جو لوگ لکھنے کا سامان نہ لانے کی تائید میں تھے ان کو شبہ پیدا ہوا کہ حضور نے تو عادت کے مطابق ہی فرمایا ہوگا مگر ہم نہیں سمجھے پھر سے پوچھو اور صحابۂ کرام خوب جانتے تھے کہ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم دفع تہمت کے لیے کبھی لکھتے نہ تھے۔ قرآن مجید پارہ ۲۱ رکوع ۱ میں ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ — اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔

مگر اس موقع پر حضور نے خود لکھنے کو فرمایا اس لیے صحابہ کو دوبارہ سمجھنے کی ضرورت پیش آئی۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ ھجَرَ ہجر و ھجران سے مشتق ہو جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں اور لفظ الحیاۃ مفعول مقدر ہو تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا۔ کیا حضور نے ظاہری زندگی چھوڑ دی معلوم کرو جیسا کہ قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد جگہ چھوڑنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً پارہ ۱۶ رکوع ۶ میں ہے وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آزر نے ان سے کہا کہ تم مجھے زمانہ دراز تک چھوڑ دو۔

اور سورۂ مزمل میں ہے۔

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا — انھیں اچھی طرح چھوڑ دو

اور بعض روایتوں میں جو ہمزۂ استفہام نہیں ہے تو مقدر ہے جیسے پارہ ۷ ع ۱۵ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول ھٰذَا رَبِّیْ کے شروع میں بہت سے مفسرین کے نزدیک ہمزۂ استفہام مقدر ہے حضرت شیخ

عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

اگر در بعضے روایات حرف استفہام مذکور نباشد مقدر ست۔ — اگر بعض روایتوں میں حرف استفہام مذکور نہیں ہے تو مقدر ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

اور اگر ھجر کے معنی اختلاط کلام ہی کے لیے جائیں تو اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ اختلاط جو بالاتفاق انبیائے کرام کو ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قوت گویائی کے اعضا، کمزور ہو جائیں یا آواز بیٹھ جائے یا زبان پر خشکی کا غلبہ ہو جس کے سبب الفاظ اچھی طرح سننے میں نہ آئیں تو یہ حالتیں انبیا، کو لاحق ہو سکتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف کی صحیح کتابوں میں موجود ہے کہ ہمارے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو آخری بیماری میں آواز بیٹھنے کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔

اور اختلاط کلام کی دوسری قسم کا عارضہ غشی کے سبب یا دماغ پر ابخرات کے چڑھ جانے سے سخت بخار میں ہوتا ہے کہ اکثر اس حالت میں منصب کے خلاف کلام زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ اختلاط کلام کی یہ قسم انبیا، کو ہو سکتی ہے یا نہیں۔ علما، کو اس میں اختلاف ہے۔ جو لوگ اسے جنون کی قسم قرار دیتے ہیں وہ انبیا، کرام کے لیے اسے جائز نہیں ٹھہراتے۔ اور بعض لوگ اسے غشی و بے ہوشی کے مثل قرار دیتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اس طرح کا عارضہ لاحق ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے جیسا کہ پارہ ۹ رکوع ۷ میں ہے

وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا — موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔

اور پ ۲۴ ع ۲ میں ہے

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰاتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝

اور صور پھونکا جائے گا تو جسے اللہ چاہے گا اس کے علاوہ جتنے زمین و آسمان میں ہیں سب بیہوش ہو جائیں گے پھر صور دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ سب دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يُّفِيْقُ فَاِذَا مُوْسٰى اٰخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِّنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ ۝

تو پہلے جس کو ہوش ہوگا وہ میں ہوں گا اور موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔

ثابت ہوا کہ انبیائے کرام پر غشی و بیہوشی طاری ہو سکتی ہے اور یہ ان کی شان کے خلاف نہیں۔ اور خوب ظاہر ہے کہ اس حالت کو جنون پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ جنون میں پہلے قوائے مدرکہ کی روح میں خلل واقع ہوتا ہے اور ہمیشہ رہتا ہے لیکن اس حالت میں روح کے اندر ہرگز خلل نہیں ہوتا بلکہ کچھ وقت کے لیے جسم کے ظاہری اعضا مرض کے سبب قابو میں نہیں رہتے۔ مگر خدائے تعالیٰ اپنے انبیائے کرام کو اس حالت میں بھی اپنی مرضی کے خلاف کچھ کرنے اور کہنے سے بچائے رکھتا ہے۔

لہٰذا اگر بعض حاضرین کو وہم پیدا ہو کہ حضور کا حکم اختلاط کلام کی قسم سے ہے جو ایسے مرضوں میں ظاہر ہوتا ہے تو کچھ بعید بھی نہیں کہ درد سر کی شدت

کے ساتھ اس وقت حضور پر بخار بھی بہت زور کیے ہوئے تھا مگر اس کے باوجود کہنے والے نے بلحاظ ادب قطعی طور پر بات نہ کہی بلکہ بطریق تردد کہا مَا شَانُہٗ اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ ان کا کیا حال ہے کیا اختلاط کلام ہوا ہے یا ہم سمجھے نہیں دوبارہ پوچھ۔

واضح فرمائیں اگر حکم ہو لکھنے کا سامان لائیں ورنہ جانے دیں کہ درد کی شدت میں مشقت اٹھانے کی چنداں ضرورت نہیں

اور یہ سب باتیں اس صورت پر ہیں جبکہ اختلاط کلام سے آخری قسم مراد ہو اور اگر قسم اول مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اس مضمون کو ہم حضور کی عادت کے خلاف دیکھتے ہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی قوت گویائی میں کمزوری پیدا ہو گئی ہو اس سبب سے ہم آپ کے کلام کو بخوبی نہیں سمجھ سکے لہذا دوبارہ پوچھو تاکہ ظاہر فرمائیں اور ہم یقین کے ساتھ جان لیں کہ حضور لکھنے کا سامان طلب فرما رہے ہیں تو ہم اسے حاضر کریں اور اس صورت میں بھی کسی پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حضور کی آواز پر کسی نے آواز اونچی نہیں کی

(۳) بیشک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز پر آواز کو اونچی کرنا سب نیکیوں کو برباد کرنا ہے اور حضور کی آواز پر آواز کو بلند کرنا سخت گناہ ہے۔ مگر اس واقعہ میں کسی نے ایسا نہیں کیا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اور نہ کسی دوسرے صحابی نے۔ البتہ آپس کی گفتگو میں حضور

کے سامنے ان لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ صحابہ کرام آپس کی بحثوں اور جھگڑوں میں حضور کے سامنے ایک دوسرے پر آوازیں بلند کرتے تھے۔ نعرے لگاتے تھے اور حضور منع نہیں فرماتے تھے بلکہ اس قسم کی بحثوں کے جائز ہونے کا قرآن کریم سے بھی دو طرح اشارہ ملتا ہے۔ اوّل یہ کہ قرآنِ کریم نے ان لفظوں کے ساتھ حضور کے سامنے آواز بلند کرنے کو منع فرمایا ہے۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (پ ۲۶ ع ۱۳) — نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔

اور اس طرح منع نہیں فرمایا

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ بَيْنَكُمْ عِنْدَ النَّبِيِّ ۝ — نبی کے پاس اپنی آوازوں کو آپس میں بلند نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ حضور کی آواز پر آواز بلند کرنا منع ہے مگر حضور کے سامنے آپس میں ایک دوسرے پر آواز بلند کرنا جائز ہے۔

دوسرے قرآن مجید نے یہ فرمایا

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ — جس طرح کہ ایک دوسرے پر آواز بلند کرتے ہو

معلوم ہوا کہ صحابہ کا ایک دوسرے پر آواز بلند کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ حضور کی آواز پر آواز بلند کرنا بربادی اعمال کا سبب ہے۔

اور پھر یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز بلند کی۔ پہلے ان کا آواز بلند کرنا ثابت کیا جائے پھر اعتراض کیا جائے بہت

ممکن ہے کہ مجموعی طور پر ایسا ہوا ہو اس لیے کہ جب بہت سے صحابہ حجرۂ مبارکہ میں حاضر تھے تو سب کی گفتگو سے آواز کا بلند ہونا یقینی ہے اور یہ گناہ نہیں اور یہ بھی گناہ ہو تو سب حاضرین یہاں تک کہ حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہما پر بھی یہ گناہ عائد ہوگا۔

اور حضور کا ارشاد گرامی

لَا یَنْبَغِیْ عِنْدِیْ تَنَازُعٌ میرے پاس جھگڑنا مناسب نہیں

اسی بات کی تائید کر رہا ہے کہ یہ گناہ نہیں بلکہ خلاف اولی ہے اس لیے کہ زنا جو بربادیٔ اعمال کا سبب نہیں ہے اس سے منع کرنے کے لیے بھی یوں نہیں کہا جاتا کہ زنا مناسب نہیں ہے۔

اور جو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا "قُوْمُوْا عَنِّیْ" یعنی تم لوگ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ تو یہ کلام ان اقسام میں سے ہے جو مرض کے سبب مریض سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ذرا سی گفت و شنید کو برداشت نہیں کرتا اور پھر یہ خطاب تو سب حاضرین سے تھا جس میں لکھنے کا سامان لانے کی تائید کرنے والے اور مخالفت کرنے والے دونوں شامل تھے تو صرف حضرت عمر ہی پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ حضرت عباس و حضرت علی اور دوسرے لوگوں پر کیوں نہیں کیا جاتا۔

مسلمانوں کی حق تلفی نہیں ہوئی

(۴) یہ کہنا بھی غلط ہے کہ لکھنے کا سامان نہ دینے کے سبب مسلمانوں کی

حق تلفی ہوئی اس لیے کہ حق تلفی اس صورت میں ہوتی جبکہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے کوئی نئی بات آئی ہوتی اور امت کے لیے نفع بخش ہوتی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ (پ ع ۵)

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمہارے اوپر پوری کر دی

یہ آیت کریمہ جو تقریباً تین ماہ پہلے نازل ہو چکی تھی اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ کوئی نیا حکم نہیں تھا بلکہ کوئی امر دینی بھی نہیں تھا بلکہ صرف ملکی مصلحتوں کا ارشاد اور نیک مشورہ تھا کہ وہ وقت اسی قسم کی وصیتوں کا تھا۔

کوئی عقلمند اسے ہرگز نہیں مان سکتا کہ تیئیس برس کی مدت جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری نبوت کا زمانہ تھا اور آپ اپنی امت پر بے حد مہربان تھے اس مدت میں پورا قرآن ان کو پڑھایا اور بےشمار حدیثیں ارشاد فرمائیں۔ مگر ایک اہم بات کہنے سے رہ گئی تھی جو اختلاف دفع کرنے کے لیے تریاقِ مجرب تھی حضور اسے لکھتے یا لکھاتے مگر حضرت عمر کے کہنے سے رک گئے۔ اور اس کے بعد پانچ روز تک ظاہری حیات کے ساتھ موجود رہے لیکن حضرت عمر کے ڈر سے اسے نہیں لکھایا اور اہل بیت کی ہر وقت آمد و رفت رہتی تھی مگر ان سے زبانی بھی نہیں فرمایا جبکہ حضرت عمر وہاں ہر وقت موجود بھی نہیں رہتے تھے " ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ " ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ بہت بڑا بہتان ہے۔

اور اس بیہودہ خیال کے باطل ہونے پر عقلی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو تحریر لکھنے کا حکم اگر خدائے تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر تھا تو جمعرات سے دوشنبہ پیر تک نہ لکھنے کے سبب حضور پر تساہلی کا الزام عائد ہوتا ہے جو شانِ رسالت کے سراسر خلاف اور باطل ہے۔

خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے

یَاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ۰ (پ ۶ ع ۱۴)	اے رسول! تیرے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے تو اسے پہونچاؤ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اس کا پیام تو نے پہنچایا ہی نہیں۔ اور اللہ لوگوں کے شر سے تجھکو محفوظ رکھے گا۔

کیا اس آیت کریمہ کے ہوتے ہوئے جبکہ ظاہری حیات کے آخری ایام تھے حضور حضرت عمر سے ڈر گئے اور خدائے تعالیٰ کے وعدہ پر کہ وہ لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھے گا حضور نے یقین نہ کیا؟ معاذ اللہ من ذلک

اور اگر یہ کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ کا حکم نہیں تھا بلکہ آپ اپنی طرف سے لکھوانا چاہتے تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور نے اپنے اس خیال سے رجوع فرمایا کہ نہیں؟ اگر جواب دیا جائے کہ رجوع فرمالیا تو اس صورت میں سارا اعتراض ہی ختم ہو گیا۔ اور اس واقعہ نے بھی موافقات عمر میں سے ہو کر ان کی عزت کو اور چار چاند لگا دیا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضور نے رجوع نہیں فرمایا تو امت کی نفع بخش چیز کا چھوڑ دینا حضور پر لازم آیا اور یہ باطل ہے اس لیے کہ خدائے تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے ۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر بڑے ہی شفیق و مہربان ۔

(پ ۱۱ ع ۵)

اور دوسری دلیل اس خیال کے باطل ہونے پر یہ ہے کہ جو بات آپ لکھانا چاہتے تھے وہ یا تو کوئی نئی بات تھی جو تبلیغ سابق پر زائد تھی یا تبلیغ سابق کو منسوخ کرنے والی اور اس کے مخالف تھی اور یا تو تبلیغ سابق کی تاکید تھی ۔ پہلی اور دوسری صورت باطل ہے اس لیے کہ آیت کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی تکذیب لازم آتی اور تیسری صورت میں امت کی کوئی حق تلفی نہ ہوئی ۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاکید خدائے تعالیٰ کی تاکید سے بڑھکر نہیں ہے تو جن لوگوں کو خدائے تعالیٰ کی تاکید کا لحاظ نہیں ہوگا ان کو حضور کی تاکید سے بھی کچھ فائدہ نہ پہونچے گا ۔

اور حدیث شریف سے اس بیہودہ خیال کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سعید بن جُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں حضرت عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت جو ابتدائے جواب میں لکھی گئی ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بولنے سے پہلے حاضرین نے آپس میں جھگڑا کیا اور جو کچھ کہنا تھا کہا پھر حضور صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم سے دوبارہ پوچھا مگر حضور نے قلم دوات منگانے

اور لکھنے لکھانے سے خاموشی اختیار فرمائی اگر یہ بات قطعی ہوتی تو آپ ہرگز خاموش نہ ہوجاتے ۔ اور اگر اس وقت خاموش ہو گئے تھے تو اس کے بعد پانچ روز ظاہری حیات کے ساتھ موجود رہے جس کا اقرار رافضی لوگوں کو بھی ہے تو اس درمیان میں اسے ضرور لکھا دیتے ۔

لہذا معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں سے کسی چیز کا لکھنا منظور نہ تھا بلکہ دنیوی معاملات میں کچھ کہنا تھا جس کی وصیت فرمائی کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو ۔ ایلچیوں کی خاطر مدارات کرو اور تیسری چیز کہ جس سے اس حدیث شریف میں سکوت کا ذکر ہے غالباً حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کی درستگی ہے جیسا کہ دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور اس بات پر کہ وہ دینی معاملہ نہ تھا دلیل یہ ہے کہ جب دوسری بار صحابۂ کرام نے قلم اور دوات وغیرہ لانے کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا۔

ذَرُوْنِیْ فَالَّذِیْ اَنَا فِیْہِ خَیْرٌ مِّمَّا تَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْہِ — مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو کہ میں اپنے باطن سے مشاہدۂ حق میں مشغول ہوں اور یہ حالت اس سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو

اگر کوئی دینی معاملہ یا تبلیغ کا پہونچانا منظور ہوتا تو بہتری کا معنے کیسے درست ہوتا اس لیے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیائے کرام کے حق میں وحی پہونچانے اور دینی احکام جاری کرنے سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ۔

اور اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسری بار اس عالم سے بے تعلقی کا جواب ارشاد فرمایا تو حاضرین کو حسرت و یاس دامنگیر ہوئی اور نا امید ہونے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تسلی کے لیے فرمایا عِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ مطلب یہ ہوا کہ حضور کے اس جواب سے تم لوگ مایوس نہ ہو تمھاری تعلیم اور تمھارے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کلام اس گفتگو کے بعد صحابہ کرام کی تسلی کے لیے فرمایا نہ کہ تحریر سے منع کرنے کے لیے۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس واقعہ کے وقت حاضر تھے اس پر رافضی سُنّی دونوں کا اتفاق ہے مگر حضرت عمر پر یا حاضرین مجلس میں سے کسی پر کہ جن لوگوں نے تحریر کی مخالفت کی تھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی پر انکار یا افسوس ہرگز منقول نہیں نہ آپ کے زمانہ خلافت میں نہ آپ کی پوری زندگی میں اور نہ آپ کی وفات کے بعد نہ کسی شیعہ سے اور نہ کسی سُنّی سے

لہٰذا اگر حضرت عمر اس معاملہ میں خطاوار ہیں تو حضرت علی بھی اس کام کی تائید میں ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس کے علاوہ کہ جو اس وقت کمسن تھے کسی کا افسوس اور کسی کی حسرت کسی پر ہرگز منقول نہیں ہوئی۔ اگر کوئی بہت بڑی چیز فوت ہوئی ہوتی تو بڑے بڑے صحابہ اور کم از کم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر یقیناً حسرت و افسوس ظاہر کرتے اور تحریر سے روکنے والوں کی شکایت زبان پر ضرور لاتے۔

اور اگر کسی کو شبہہ ہو کہ جب کسی اہم بات کا لکھنا منظور نہ تھا تو حضور

نے یہ کیوں فرمایا

لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ — تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو

معلوم ہوا کہ دین کے بارے میں کوئی اہم بات تھی اس لیے کہ دین میں غلطی پڑنا ہی گمراہی کے معنی ہیں۔

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ لفظ ضلال عرب کی بولی میں جیسا کہ دین کی گمراہی کے معنی میں آتا ہے۔ دُنیا کے معاملات میں بدتدبیری کے معنی میں بھی بہت بولا جاتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قول حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں منقول ہے۔

اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ — بیشک ہمارے باپ صریح غلطی پر ہیں۔

(پارہ ۱۲ رکوع ۱۲)

اور اسی سورۂ یوسف میں دوسری جگہ ہے۔

اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ — بیشک آپ اپنی اسی پرانی غلطی پر ہیں

(پارہ ۱۳ ع ۵)

ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کافر نہ تھے کہ اپنے باپ یعقوب علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو گمراہ سمجھتے۔ معاذ اللہ

مطلب ان کا یہ تھا کہ دنیوی معاملات میں آپ بے تدبیری برتتے ہیں کہ ہم لوگوں سے جو ہر طرح کی خدمتیں کرتے ہیں الفت کم رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ چھوٹے ہیں اور خدمت کرنے میں قاصر ہیں ان سے عشق کی حد تک محبت کرتے ہیں۔

لہذا اسی طرح یہاں بھی "تضلو" سے مراد ملک کی تدبیر میں خطا ہے نہ کہ دین کی گمراہی۔ اور واضح دلیل اس پر یہ ہے کہ ۲۳ برس کی مدت میں قرآن کا نزول اور احادیث کریمہ کا ارشاد ان کی گمراہی کے دفع کرنے کے لیے اگر کافی نہ ہو تو چند سطروں کی تحریر اس کام کے لیے کیسے کافی ہو سکتی ہے۔

اور بعض لوگوں کے دل میں یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ شاید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلافت کا معاملہ لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روک دینے سے یہ اہم معاملہ رہ گیا۔

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ خلافت کا معاملہ لکھنا ہرگز منظور نہ تھا اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے متعلق حضور نے اسی مرض میں ارادہ فرمایا تھا جیسا کہ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۷۳ میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا

اُدْعِی لِی اَبَا بَکْرٍ اَبَاکِ وَاَخَاکِ حَتّٰی اَکْتُبَ لَهُمَا کِتَابًا فَاِنِّی اَخَافُ اَنْ یَّتَمَنّٰی مُتَمَنٍّ وَیَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا اَوْلٰی وَیَاْبَی اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَکْرٍ۔	اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ان کے لیے وصیت نامہ لکھ دوں اس لیے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے یا کوئی کہنے والا کہے کہ میں افضل ہوں حالانکہ خدا اور مومنین علاوہ ابوبکر کے کسی کو قبول نہ کریں گے۔

مگر ایسا ارادہ فرمانے کے بعد پھر حضرت عمر یا کسی دوسرے کی ممانعت کے

بغیر حضور نے خود بخود لکھنا موقوف کر دیا۔

اور پھر اگر خلافت کے لیے وصیت ہی کرنی تھی تو اس کے لیے لکھنا ضروری نہ تھا بلکہ جو لوگ حجرۂ مبارکہ میں موجود تھے ان کے سامنے زبانی وصیت کر دینا ہی کافی تھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی نے لکھنے سے منع نہیں کیا اور اگر منع کرنا فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے اُمّت کی کوئی حق تلفی ہرگز نہیں ہوئی۔ یہ رافضیوں کا وسوسہ ہے اور وسوسہ کا کوئی علاج نہیں۔

ھٰذا ما ظھر لی وھو تعالٰی ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۴/ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

ایک سوال اور اس کا جواب

مکرمی حضرت مفتی صاحب قبلہ! دام الطافکم ــــــ السلام علیکم

التماس اینکہ آپ کا رسالہ باغ فدک اور حدیث قرطاس مطالعہ کیا۔ بجز عبارت ذیل کے آپ نے بہت خوب تحریر فرمایا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہر کلام وحی الٰہی نہیں ہے تو یہ نص صریح وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں اطمینان بخش مدلل جواب تحریر فرمائیں۔ فقط

المستفتی حیات علی بھاؤ پوری عفی عنہ از بھاؤ پور پوسٹ بھدوکھر بستی

باسمہ تعالٰی والصلاۃ والسلام علی رسولہ الاعلٰی

محترم المقام زید احترامکم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ـــ ثم السلام علیکم

محبوب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہر کلام وحی الٰہی نہیں ہے۔ یہ بات نص صریح کے خلاف نہیں ہے اس لیے کہ آیت کریمہ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى میں هُوَ کا مرجع قرآن عظیم ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے کہ انہ ضمیر معلوم وھو القراٰن کانہ یقول ما القراٰن الا وحی یعنی آیت کریمہ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى میں هُوَ کا مرجع قرآن ہے۔ گویا کہ خدائے تعالٰی فرماتا ہے کہ قرآن صرف وحی ہے اور تفسیر روح البیان میں ہے إِنْ هُوَ ای ما الذی ینطق بہ من القراٰن إِلَّا وَحْيٌ من اللہ تعالٰی یوحی الیہ

بواسطہ جبرئیل علیہ السّلام۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحی الٰہی ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب وحی کیا جاتا ہے اور مدارک میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں ہے وما اتاکم به من القران لیس بمنطق یصدر عن هواه ورایه انما هو وحی من عند الله یوحی الیه۔ یعنی جو قرآن کہ رسول تمہارے پاس لائے ہیں وہ ایسا کلام نہیں ہے جو ان کی خواہش اور رائے سے ہو۔ وہ صرف وحی الٰہی ہے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اور تفسیر ابو السعود میں ہے اِنْ ھُوَ ای ما الذی ینطق به من القران اِلَّا وَحْیٌ من الله تعالیٰ۔ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جسے رسول قرآن بتاتے ہیں وہ صرف وحی الٰہی ہے۔ اور تفسیر خازن میں ہے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ای بالهوی والمعنی لا یتکلم بالباطل وذلک انهم قالوا ان محمد ایقول القران من تلقاء نفسه اِنْ ھُوَ ای ما هو یعنی القران وقیل نطقه فی الدین اِلَّا وَحْیٌ مِّنَ اللهِ یُوْحٰی الیه اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ کفار ومشرکین کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) قرآن اپنی طرف سے کہتے ہیں اس لیے آیت کریمہ کا یہ معنی ہوا کہ وہ باطل کلام نہیں فرماتے ہیں۔ قرآن اور بعض لوگوں نے کہا کہ ان کا ہر وہ کلام جو دین کے بارے میں ہو صرف وحی الٰہی ہے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور معالم التنزیل میں وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی کی تفسیر خازن کی مثل لکھنے کے بعد تحریر فرمایا اِنْ ھُوَ ما نطقه فی الدین وقیل القران یعنی دین کے بارے میں رسول کا کلام اور بعض لوگوں نے

کہا کہ قرآن صرف وحی خداوندی ہے جو رسول کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔

ان معتبر تفسیروں سے واضح ہو گیا کہ آیت کریمہ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی میں هُوَ کا مرجع قرآن عظیم ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن وحی الٰہی ہے نہ کہ ہر کلام۔ اور تفسیر معالم التنزیل میں جو هُوَ کا مرجع نطقه فی الدین بتایا تو اس سے بھی ہر کلام کا وحی الٰہی ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف دینی کلام کا وحی ہونا ثابت ہوتا ہے البتہ تفسیر جمل اور صاوی میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال اور سب احوال وحی الٰہی ہیں۔ جیسا کہ ہمارے مقررین عام طور پر بیان کرتے ہیں۔ مگر اس کے بارے میں علامہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ وہ ظاہر کے خلاف ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس آیت کریمہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کا وحی ثابت کرنا ایک وہم ہے اس لیے کہ هُوَ کا مرجع اگر قرآن کو تسلیم کیا جائے تو اس معنی کا خلاف ہونا ظاہر ہے اور اگر هُوَ سے مراد حضور کا قول ہو تو ان کے قول سے وہی قول مراد ہے کہ جسے کفار و مشرکین شاعر کا قول کہتے تھے۔ تو خدائے تعالیٰ نے رد کرتے ہوئے فرمایا وَلَا بِقَوْلِ شَاعِرٍ اور وہ قول قرآن کریم ہی ہے

علامہ امام رازی کی اصل عبارت یہ ہے الظاهر خلاف ما هو المشهور عند بعض المفسرين وهو ان النبی صلی الله علیه وسلم ما كان ينطق الا عن وحى ولا حجة لمن توهم هذا فی الاية لان قوله تعالى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ان كان ضمير القرآن فظاهر وان كان ضميرا

عائدًا الی قوله فالمراد من قوله هُوَ القول الذی کانوا یقولون فیه انه قول شاعر ورد اللہ علیهم فقال وَلَا بِقَوْلِ شَاعِرٍ و ذلك القول هو القرآن۔

اور علامہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر قول کو وحی الٰہی مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور نے کبھی اپنے اجتہاد سے کچھ نہیں فرمایا اور یہ کبھی ظاہر کے خلاف ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لڑائیوں میں اجتہاد فرمایا ہے اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یا شہد کو جب حضور نے اپنے لیے حرام فرمالیا تو آیت کریمہ نازل ہوئی یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ یعنی اے نبی تم نے کیوں حرام فرمالیا (پ ۲۸ سورہ تحریم) معلوم ہوا کہ اگر حضور کا حرام فرمانا وحی الٰہی ہوتا تو لِمَ تُحَرِّمُ نہ فرمایا جاتا اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب کچھ لوگوں کو غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دیدی تو آیت کریمہ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ نازل ہوئی یعنی اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انھیں کیوں اذن دیدیا (پ ع ۱۲) ثابت ہوا کہ حضور کا ہر کلام وحی الٰہی نہیں ورنہ حضور کے اجازت دینے پر لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ نہ فرمایا جاتا۔ علامہ امام رازی کے اصل الفاظ یہ ہیں ھذا یدل علی انه صلی اللہ تعالیٰ علیه لم یجتهد وهو خلاف الظاهر وانه فی الحروب اجتهد وحرم ما قال اللہ لِمَ تُحَرِّمُ واذن لمن قال اللہ تعالیٰ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ (تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ)

علاوہ ان کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل وحی الٰہی نہیں ہے مثلاً بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۶۷۴ میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی مصلحت سے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی لَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ (پ ۱۰ ع ۱۶) اور کھجوروں کے بارے میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول مشہور ہے اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اٹھارہ دن تک طائف کا محاصرہ جاری رکھا اور وہ فتح نہیں ہوا حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے پر حضور نے محاصرہ اٹھا لیا۔ (زرقانی جلد سوم صـــ) معلوم ہوا کہ طائف کا محاصرہ وحی الٰہی سے نہیں تھا ورنہ صحابی کے کہنے پر حضور محاصرہ ہرگز نہ اٹھاتے۔

ان تمام شواہد سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل وحی الٰہی نہیں ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے کہا کہ انکا ہر قول و فعل وحی الٰہی ہے تو انکا مطلب یا تو یہ ہے کہ دینی امور میں حضور کا ہر قول و فعل وحی الٰہی ہے جیسا معالم التنزیل میں فرمایا اور یا تو ان لوگوں کا قول عام مخصوص منہ البعض ہے۔ ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ عز اسمہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

دار الافتاء فیض الرسول براؤں شریف ۱۰ جمادی الاخری